تشدد اطفال کی نفی کیجیے

ترجمہ: منیب الرحمٰن

کہکشاں ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن۔ بہاولپور

تعلیم وتربیت کے روایتی طریقوں پر تنقید کو عموماً ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اس بنیادی انسانی قدامت پرستی کو الفاظ کے قالب میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

''قدیمی طور طریقے اگر ماضی کی نسل کی تربیت کر سکتے ہیں تو نسل نو کی کیوں نہیں۔انہیں ہرگز تبدیل نہ کریں اگر یہ درست نتائج دیتے ہیں۔کبھی کبھار بچوں کی توجہ مربوط رکھنے کے لیے تھوڑی بہت سختی کی ضرورت ہوتی ہے۔اور اس کا بچے کو کوئی جسمانی نقصان بھی نہیں ہوتا۔میری اپنی پرورش بھی اسی طرز پر ہوئی اور میں درست نہج پر رہا۔''

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کتنے درست نہج پر رہے۔جلد یا بدیر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام خاندانی روایات یکساں طور پر پیدا نہیں ہوتیں۔ ممکن ہے کہ چند کیفیتوں میں ان روایات نے ہماری زندگی کو ضرورت سے زیادہ ناخوشگوار بنا دیا ہو۔اور ممکن ہے کہ ان روایات (بچوں پر سختی) نے ہمیں صحیح راستے پر رکھا ہو جیسا کہ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے۔

جب ہم بچپن میں اپنے ساتھ والدین کے رویے کی تعریف کرتے ہیں تو کیا ہم اپنے موجودہ رویے کی توثیق کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں؟ کیا ہم اپنے آپ کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہم ان حالات کو جوں کا توں رکھنا چاہ رہے ہیں؟ آیئے ہم اس مفروضہ کہ ''میری پرورش درست ہوئی'' کا تجزیہ اپنے ذاتی بچپن کی مثالوں سے کرتے ہیں۔آیئے دیکھیے کہ یہ مثالیں آپ پر بھی لاگو ہوتی ہیں یا نہیں۔

۱۔ ہمارے گھر کے ہر کمرے میں ایش ٹرے موجود تھی۔میرے والدین اور گھر آنے والے تقریباً تمام مہمان سگریٹ نوش تھے۔گھر کی فضا ہر وقت سگریٹ اور سگار کے دھویں سے بسی رہتی تھی۔اور کسی کو بھی بچوں پر اس کے مضر اثرات کی پرواہ نہ تھی۔حقیقت تو یہ ہے کہ میری ابتدائی زندگی کا کوئی ایک دن بھی تمباکو کی بو سونگھے بغیر نہ گزرا تھا۔حتیٰ کہ میں ماں کے پیٹ میں بھی تمباکو کی بو سے نہ بچ سکا تھا۔کیونکہ میری ماں سگریٹ نوش تھی ***اور میری پرورش بالکل درست طور پر ہوئی۔***

۲۔ جہاں تک مجھے یاد ہے شیورلیٹ سیڈان 1937 ماڈل ہماری پہلی کار تھی۔جس کی سیٹ بیلٹ نہ تھیں۔سفر کے دوران میں پچھلی سیٹ پر اس امید پر بمشکل چپک کر بیٹھتا کہ کشش ثقل مجھے محفوظ رکھے گی۔اور میری خوش قسمتی کہ ایسا ہی ہوتا رہا۔***چنانچہ میری پرورش بالکل درست ہوئی۔***

۳۔ وہ تمام جگہیں جہاں پر میرا بچپن گزرا، ان پر سیسہ رنگ کیا گیا ہوتا تھا۔***لہذا میری پرورش بالکل صحیح طریقے پر ہوئی۔***

۴۔بچپن اور لڑکپن میں سائیکل سواری کے دوران میں نے کبھی بھی ہیلمٹ یا کوئی اور حفاظتی ذریعہ استعمال نہ کیا۔***اور میری پرورش درست انداز میں ہوئی۔***

ان مثالوں کو پڑھنے کے بعد بتایئے کہ کیا میرا خاندان سمجھدار تھا یا خوش قسمت؟ آج ہم ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں کرتے۔اس طرح کا کوئی خطرہ مول نہیں لیتے اور نہ ہی اپنے بچوں کو کسی ایسے خطرے کا سامنا کرنے دیتے ہیں، کسی بھی صورت میں نہیں۔کیونکہ ہم حقائق جانتے ہیں۔

مار پیٹ۔حقائق کیا ہیں؟

دیرپا اثرات:

ذہنی صحت اور پرورش اطفال کی تازہ ترین تحقیق اس نظریے کی تائید کرتی ہے کہ بچے پر تشدد خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو بچے کو زہر دینے کے مترادف ہے۔اور مسلسل تشدد کا عمل بچے پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ہم ایک ذاتی مثال کے ذریعے اس کی وضاحت کر سکتے ہیں۔ہم میں سے اکثر اس بات کی تائید کریں گے کہ بچپن کی سب سے گہری اور ناخوشگوار یادیں ہمارے والدین کا ہمارے ساتھ برا سلوک ہے۔کچھ لوگ تو ان یادوں کو اتنا تکلیف دہ پاتے ہیں کہ وہ ان کی تلخی کو ایک مزاحیہ انداز اپنا کر کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔جیسے کہ وہ بہت معمولی واقعہ ہو۔اپنا سزا پانے کا تجربہ بیان کرتے وقت آپ ایسے لوگوں کو مسکراتا ہوا دیکھیں گے۔یہ دراصل تسکین نہیں بلکہ شرمندگی ہوتی ہے جو انہیں مسکرانے پر مجبور کرتی ہے۔وہ موجودہ تکلیف کے سد باب میں ماضی کی تلخیوں کی یاد کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔یقیناً چند والدین اپنے ایسے رویے کی تائید میں کہیں گے کہ آپ کا فرض ہے کہ اگر بچہ کسی خطرے، مثلاً وہ گرم چولہے کو ہاتھ لگائے یا ایک مصروف سڑک پر دوڑنے کی کوشش کرے، سے کھیل رہا ہو تو اُسے روکیں ۔اور زوردار تھپڑ لگائیں تاکہ آئندہ اسے سبق حاصل ہو۔

اگر اس دلیل کو درست مان لیا جائے تو بچوں کی مار پیٹ میں کمی پیدا ہوتی چلی جائے گی کیونکہ ہر پٹائی کے بعد بچے سبق سیکھیں گے اور غلطیوں سے بچیں گے۔لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔بلکہ بچوں کی افزائش ونشوونما کے ساتھ ساتھ ان کی پٹائی میں تیزی اور شدت پیدا ہوتی جاتی ہے۔اور متاثرہ بچے زیادہ گستاخانہ/غلط رویہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔درحقیقت مار پیٹ بچوں کو گومگو کی کیفیت میں ڈال دیتی ہے۔یوں ان کے بڑے انہیں جو سبق دینا چاہتے ہیں اسے سیکھنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔نام نہاد مثبت مار پیٹ کرنے والے والدین اپنے بچوں کو ہرگز نہیں سکھا رہے کہ گرم چولہا یا مصروف سڑک ان کے لیے خطرناک ہے بلکہ درحقیقت وہ اپنے بچوں کو سکھا رہے ہوتے ہیں کہ ان بزرگ/بڑے جن پر وہ (بچے) انحصار کرتے ہیں وہ خطرناک ہیں۔بچوں کا ایسا سبق سیکھنا بہت ہی خطرناک ہے۔

گمشدہ اعتماد:

کسی بھی نوزائیدہ بچے کے لیے بقا سب سے اہم ہوتی ہے۔گرنے کا خوف اور شور شرابے سے پریشانی، بچے کی چوسنے کی صلاحیت کی طرح، فطری عوامل ہوتے ہیں۔اور یہ کہیں سے سیکھے نہیں جاتے۔پیدائش ہی سے یہ مکمل طور پر فعال ہوتے ہیں اور پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہونے والے عوامل جیسے کہ ماں کی آواز، ماں کے لمس کی نرمی، اس کے جسم کی مہک، اس کے دودھ کا ذائقہ، یہ تمام بچے کو اس کی دنیا سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ آنے والے حالات وواقعات کا احاطہ کرتے ہیں۔اعتماد سب سے اہم ہے اور ابتدائی ادوار میں ہی اسے استوار کر لینا چاہیے۔مگر یہ بہت افسوسناک ہے کہ بہت سے لوگوں کے لیے اسے ابتداء ہی میں توڑ دیا جاتا ہے۔نظر اندازی، بدسلوکی، ڈانٹ ڈپٹ، اور ان سے منسلک سخت رویہ بشمول مار پیٹ جو کہ بچے کی ابتدائی عمر میں ہی شروع ہو جاتا ہے، اعتماد کی تباہی کے بنیادی عوامل ہیں۔

کئی سالوں پر محیط مشاہدے کے بعد میں نے مار پیٹ کے مترادف الفاظ کی ایک فہرست مرتب کی ہے اور یہ فہرست مسلسل فروغ پذیر ہے۔اور میرا نہیں خیال کہ اس کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز ہے جس کے انگریزی زبان میں اتنے سارے نام ہوں۔وجہ بہت واضح ہے۔بچوں پر مار پیٹ کرنے والوں نے اپنے اس عمل کو بہت معمولی اور حقیر ظاہر کرنے کے لیے ایک مخصوص زبان ایجاد کی ہے اور اس زبان میں افزائش کا عمل جاری رہتا ہے وجہ صاف ظاہر ہے کہ بچوں پر تشدد کے عمل کو معمولی ظاہر کرنے کے لیے نئے نئے الفاظ، اصطلاحات اور مترادفات کا سہارا لیتے رہتے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ بچے کی اندرونی ذہنی زندگی کے ساتھ کیا بیتتی ہے۔ایسا بچہ جس پر بہت زیادہ سختی کی جاتی ہو، اس بچے کی طرح جسے کم خوراک

اور کم آرام ملتا ہو، وہ والدین کو محبت اور تحفظ کا ذریعہ سمجھنا چھوڑ دیتا ہے۔ والدین اور اولاد کا رشتہ ناگزیر طور پر اس تشدد و سختی کی وجہ سے کمزور ہوتا جاتا ہے اور نتیجتاً بچہ باشعور نہیں ہو پاتا اور بہتر ممکنہ انداز میں پروان نہیں چڑھ پاتا۔

بچہ اور اس کے قریب ترین سرپرستوں (والدین) کے درمیان ختم ہوتا اعتماد بچے کی دوسروں کے ساتھ اعتماد اور محبت پر مبنی رشتے اور تعلق کو استوار کرنے کی صلاحیت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور یہ اثرات زندگی بھر قائم رہ سکتے ہیں۔ وہ تمام لوگ جن کی شخصیت (بچپن کے) ایسے سلوک کی وجہ سے مجروح ہو چکی ہوتی ہے۔ وہ تمام تعلقات کو گفت و شنید یا ایسی سودا بازی کے طور پر دیکھنا شروع کر دیتے ہیں جو کامیاب یا ناکام بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی وہ دیرپا تعلقات استوار کرنے کی صلاحیت کھو دیتے ہیں اور انہیں ہر لمحہ عدم تحفظ کا احساس ہوتا ہے۔ وہ ایمانداری اور اعتماد کو دوسروں کی ایسی کمزوریاں سمجھتے ہیں جس سے وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بالکل اسی انداز میں جیسے ان کی دوسروں پر اعتماد کرنے اور صاف گوئی سے دوسروں نے کبھی فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ دنیا/عملی زندگی کو اپنی ابتدائی گھریلو زندگی کا تسلسل ہی سمجھتے ہیں یعنی ایک ایسا خطرناک ماحول جس میں درندگی سے بچنے کا واحد طریقہ خود درندہ بننا ہے۔

غفلت/نظر اندازی اور تابعیت

بچوں پر سختی و مار پیٹ کے حامی اکثر یہ دلیل دیتے ہیں کہ ایک نگران/سرپرست کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ بچوں پر سختی کرے یا پھر بالکل نہ کرے۔ اور یہ ایک بودی دلیل اور غلط ترجیح ہے۔ (بچے کی غلط حرکت پر) خاموشی یا نظر اندازی اتنی ہے غیر دانش مندانہ اور نقصان دہ ہے جتنی کہ مار پیٹ۔ ایک سمجھدار سرپرست بچے کی عمر کے مطابقت میں ایک ایسا محفوظ ماحول پیدا کرتا ہے جس کی مناسب حدود و قیود اور رویہ و حسن سلوک کے عملی نمونہ ہوتے ہیں۔ اور اس طرح وہ بچے کی تعاون اور واقفیت کے فطری رجحان کی نشوونما کرتا ہے۔ یہ طریقہ مار پیٹ کی نسبت ذرا صبر آزما ہے اور سرپرست سے زیادہ مہارت کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن یہ زیادہ نتیجہ خیز ہے اور یہ بچے اور والدین، معلم اور طالب علم کے درمیان اعتماد کے رشتے کو زیادہ مضبوط کرتا ہے۔ اور اس طرح بچے کے اندر آئندہ زندگی میں زیادہ سخت حالات کا سامنا کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔

والدین کے درمیان جھگڑے اور مار پیٹ

بہت سے کیسز میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے ماں باپ جن کی ازدواجی زندگی میں تلخی و تشدد کے عناصر ہوں وہ اپنے بچوں پر بھی تشدد اور مار پیٹ کرتے ہیں۔ یقینی طور پر ایسے لوگ اپنے بچپن میں اس غلط رویے کا شکار ہوئے ہونگے اور انہوں نے دوسروں کو بھی اس کا شکار ہوتے دیکھا ہوگا۔ ایک دوسرے کے ساتھ سختی اور مار پیٹ کرنے والے میاں بیوی اپنے بچوں پر تشدد کر کے دراصل انہیں بھی اپنی طرح متشدد المزاج بنا رہے ہوتے ہیں اور بچے اپنے والدین سے یہ سیکھتے ہیں کہ ذہنی دباؤ سے نجات، ناراضامندی ظاہر کرنے کے لیے اور اپنا رعب و حکم جمانے کے لیے بہترین طریقہ اپنے سے چھوٹے اور کمزور کو مارنا/پر مار پیٹ کرنا اور تشدد کرنا ہے۔ اور وہ اس اصول کا عملی مظاہرہ ہر اس وقت دیکھتے ہیں جب وہ اپنے والدین کو لڑتے دیکھتے ہیں یا پھر جب خود انہیں سزا مل رہی ہوتی ہے۔ وہ یہ سبق حاصل کرتے ہیں کہ جب وہ بڑے اور طاقت ور ہونگے تو وہ بھی دوسروں کو دھمکا کر یا مار پیٹ کر ان پر کنٹرول حاصل کر سکیں گے۔ چنانچہ یہ چیز ان کے ذہن میں راسخ/پختہ ہو جاتی ہے کہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کو مارنا، ایک دوسرے سے بدسلوکی کرنا اور بڑوں کا بچوں کے ساتھ بدسلوکی اور مار پیٹ بالکل ایک جائز عمل ہے۔

چنانچہ ایسے بچے جن کی شخصیت ایسے متشدد ماحول میں پروان چڑھی ہوتی ہے جب بڑے ہو کر خود والدین بنتے ہیں تو ان کے لیے اس رویے سے جان چھڑانا بہت مشکل ہو جاتا ہے جس کو وہ بچپن میں مشاہدہ کر چکے ہوتے ہیں۔ اور وہ بہت کمزور انداز میں اپنی خاندانی زندگی کو چلاتے ہیں اور وہ تشدد کے منحوس چکر کو اپنے معصوم بچوں پر مار پیٹ کے ذریعے جاری رکھتے ہیں۔

یاد رکھیں جیسے ہی آپ اپنی خاندانی زندگی سے مار پیٹ کو ختم کریں گے۔ گھریلو تشدد کی دیگر اقسام بھی ختم ہوتی جائیں گی۔

انتہا

جسمانی زخم اور سرپرستوں کے ہاتھوں بچوں کی اموات اکثر جسمانی سزا کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بچوں کے خلاف ان سنگین ترین جرائم کے مرتکب روایتی طور پر اس کو بچے کے غلط رویے/نافرمانی کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ قطعاً ان کا منشا نہ تھا۔ ان لوگوں کا سب سے محبوب لفظ ''حادثاتی طور پر ہونا'' ہوتا ہے۔ بہت سے شیر خوار اور ننھے بچوں کی موت کو جھولے سے گرنے، سیڑھیوں سے پھسلنے یا حادثاتی طور پر نہانے کے ٹب میں ڈوبنے کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ والدین کی توجہ بوجہ کوئی فون کال منتشر ہونے کو یقینی طور پر قتل عمد قرار دیا جائے گا۔ اگر حقیقت کا پردہ چاک کیا جائے۔ بعض اوقات اسی موت کا سبب خود مقتول کو اس طرح کی رائے دے کر قرار دیا جاتا ہے کہ اسے بڑی جلدی چوٹ لگ جاتی ہے۔ اس کی ہڈیاں بڑی نرم ہیں۔ یا یہ کہ وہ تو فوراً ہی حادثہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ خود ہی اس میں پھنسا یا وہ اپنے آپ پر کنٹرول نہ رکھ سکا۔

بچوں پر مار پیٹ کے حامی کہتے ہیں کہ بچوں پر مار پیٹ مناسب اور درست مقام پر ہونی چاہیے۔ اور اسے ایک طریق کار کے تحت کیا جانا چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ کبھی بھی غصے کی حالت میں بچوں پر مار پیٹ نہ کریں۔ اور ان کی اس بات میں مضمر پیغام یہ ہے کہ کسی دوسرے کو تشدد/مار پیٹ کا نشانہ بنانا بالکل درست ہے۔ بشرطیکہ اسے آرام سے کیا جائے۔ (اذیت پسند جذباتی طور پر اسے مانتے ہیں)۔ لیکن یہ قطعی ناممکن ہے کہ جسے مارا جا رہا ہے چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، وہ مارنے والے کے ذہن/نیت/طریق کار کو جان لے۔

بہت سے متشدد محض اس وجہ سے بچوں پر تشدد کے عادی ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنے ذہنی انتشار اور غصے کے اخراج کا یہ فوری اور آسان طریقہ نظر آتا ہے۔ اور ان کے ذہن کے کسی نہاں گوشے میں بھی اس کا خیال تک نہیں آتا کہ وہ بچے کی بہتری کے لیے ایسا کر رہے ہیں اور یاد رکھیے کہ اس طرح تشدد کا عنصر ان کی شخصیت میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ بچے کو مارنے کا کوئی محفوظ طریقہ نہیں ہے۔

مار پیٹ اور جنسی درندگی

مار پیٹ کا شکار بچے یہ سبق حاصل کرتے ہیں کہ ان کا جسم ان کی ملکیت نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے جنسی اعضاء بھی بڑوں کی مرضی کے تابع ہیں۔ ایک بچہ جو سوموار کو مار پیٹ برداشت کرتا ہے۔ وہ منگل کو کسی جنسی زیادتی پر ''نہ'' نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ بچوں پر مار پیٹ کرنے والوں کو کم از م یہ ضرور محسوس کرنا چاہیے کہ مار پیٹ پر ان کی سوچ خواہ کچھ بھی ہو۔ وہ بچوں کو شکاریوں کے لیے ایک آسان شکار بنا رہے ہوتے ہیں۔

کولہوں پر مار پیٹ اور جنسی نشوونما

طبی سائنس نے نہایت مفصل طور پر تحریر کیا ہے کہ کس طرح کولہوں پر چوٹ لگانے سے جنسی احساسات نشوونما پاتے ہیں۔ بچے تو بہت حساس ہوتے ہیں اس طرح کی مار پیٹ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کے ذہن میں درد، تذلیل اور جنسی ابھار باہم مربوط ہو جاتے ہیں اور اس طرح کا ربط زندگی بھر کا روگ بن جاتا ہے۔

ڈیوڈ باکن اپنی تصنیف ''معصوموں کا قتل'' (Slaughter of Innocents) میں لکھتے ہیں

''کولہے بچوں میں درد/تکلیف کا محور ہوتے ہیں۔ ہم عام طور پر سمجھتے ہیں کہ کولہے پر ٹکانا/مار پیٹ کرنا ایک محفوظ عمل ہے۔ تاہم پٹھی حصہ تناؤ پیدا کرنے والا حصہ بھی ہوتا ہے۔ اس وقت جب بچے کو اس حصے پر چوٹ لگائی جائے تو اس طرح بلوغ عمری میں اس کا ردعمل جنسی بے راہ روی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ (1971 -P 113) ''

ابلاغ فحاشی و عریانیت کی صنعتیں بے شمار بدقسمت ایسے افراد کی ضروریات پوری کر کے ایک وسیع کاروبار کر رہی ہیں جن کی جنسی افزائش بچپن کی مار پیٹ کی وجہ سے غلط سمت میں جا چکی ہوتی ہے۔ دیگر تمام وجوہات کو پس پشت ڈالتے ہوئے صرف یہی ایک وجہ ہی کافی ہے کہ بچے پر مار پیٹ نہ کی جائے

-

کولہوں پر مارنے کے نفسیاتی خطرات اور نقصانات

جسمِ انسانی کی سب سے بڑی عصب (Nerve) شیاٹک عصب کولہوں کے اندر نیچے کر کے ہوتی ہے۔کولہوں پر ایک شدید ضرب، خاص طور پر کسی کند چیز کے ساتھ، کے نتیجے میں ان عضلات سے خون جاری ہوسکتا ہے۔ جو کہ اس عصب کے گرد ہوتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ایسی چوٹ سے شیاٹک عصب کو بھی نقصان پہنچے جس کا نتیجہ اس طرف والی ٹانگ کے مفلوج ہونے کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے۔

شیاٹک عصب اور نرم عضلات کو نقصان کے ساتھ ساتھ کولہے پر ضرب سیکرم (Sacrum) کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ وہاں پر کسی بھی قسم کی ضرب پیغاماتی رطاقتی لہروں کو بذریعہ حرام مغز مہروں کو نقصان پہنچاتے ہوئے اوپری جانب بھیجتی ہے اور ریڑھ کی ہڈی کو بھی توڑ سکتی ہے۔

کچھ لوگ بچوں کے کولہوں پر ضرب لگانے کے عمل کی حمایت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا رقدرت نے انسانی جسم کا یہ حصہ ضرب لگانے کے لیے ہی بنایا ہے۔ یہ انتہائی گمراہ دعویٰ ہے۔جسم انسانی کا کوئی بھی حصہ بدسلوکی کے لیے نہیں بنایا گیا۔

ہاتھوں پر مارنے کے نقصانات

بچوں کے ہاتھ خاص طور پر بہت نازک ہوتے ہیں۔ کیونکہ تمام اندرونی بافتیں رخلیہ جات وغیرہ جلد (Skin) کے بالکل قریب ہوتی ہیں۔اور ان پر کسی قسم کی کوئی حفاظتی تہہ رخلیہ جات نہیں ہوتے۔ ننھے بچوں کے ہاتھ پر مارنے سے ہڈیوں کی بڑھوتری کی صلاحیت مجروح ہوتی ہے۔ کیونکہ اسے نقصان پہنچنے سے ان کی شکل تبدیل ہوسکتی ہے۔ یا ان کا مخصوص عمل متأثر ہوسکتا ہے۔ بچے کے ہاتھ پر مارنے سے ہڈی بھی ٹوٹ سکتی ہے۔اور جوڑ نکل سکتا ہے جس کا نتیجہ مستقل مفلوج (Premature Osteoarthritis) کی صورت میں نکل سکتا ہے۔

جھٹکے دینا (Shaking)

بچے کو جھنجھوڑنے سے وہ نابینا پن کا شکار ہوسکتا ہے دماغی چوٹ لگ سکتی ہے۔حرام مغز کو نقصان پہنچ سکتا ہے حتیٰ کہ بچے کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے

۔

گھر میں تشدد رمار پیٹ اور سکول میں کارکردگی۔

باشعور اساتذہ آپ کو آگاہ کریں گے کہ سکول میں پریشان کن رویہ کا مظاہرہ کرنے والے طلبہ کو گھر میں پریشان کن ماحول ملا ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ بہت سارے ایسے بچوں کے لیے ان کا گھریلو میدان جنگ ان کی تعلیمی زندگی یعنی سکول میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا ہے۔جس کا نتیجہ ان کی تعلیمی ناکامی ور پیچھے رہ جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔اور یہ بچے اپنی بے آرام اور ظالم دنیا کے سامنے ایک حفاظتی بند باندھنے کی کوشش کرتے ہوئے قدرتی طور پر اپنے جیسے مسائل کا شکار بچوں کی صحبت ڈھونڈتے ہیں۔ بازاری، جرائم پیشہ گروہ ایسے ہی ناکام گھریلو اور تعلیمی زندگی کے شکار لوگوں (بچوں) سے تشکیل پاتے ہیں

۔

ہمیں قطعاً حیران نہیں ہونا چاہیے کہ بہت سے نوجوان بڑوں کی دنیا کو اسی طرح اس حد تک مسترد کر دیتے ہیں جس طرح بڑوں نے ان کی زندگی میں تلخیاں بھری ہوتی ہیں۔ ہمارے لیے یہ بات بھی حیران کن نہیں ہونی چاہیے کہ جو لوگ اپنے پورے بچپن میں تشدد کا شکار رہتے ہیں وہ اپنی بلوغت میں تشدد کے پیروکار ہی بنتے ہیں۔

لیکن یہ مخلص اور بہترین اساتذہ کے لیے بھی بہت تھکا دینے والا کام ہے۔اور یہ غیر معمولی وسائل کا تقاضا کرتے ہیں جو سرکاری رعوامی تعلیمی اداروں میں دستیاب نہیں ہیں۔

سکولوں سے اخراج، نشہ اور غیر ذمہ دارانہ رویہ یقیناً ہماری قوم کو تباہ کرنے والے بڑے مسائل نہیں رہیں گے اگر ہمارے والدین، اساتذہ، اور دیگر نگران بچوں کو مہذب بنانے کے ایسے طریقوں کو چھوڑ دیں جس کے نتیجے میں بچے سماج دوست کی بجائے سماج دشمن بن رہے ہوں۔

مار پیٹ، سگریٹ نوشی، شراب اور منشیات

مار پیٹ کا نشانہ بننا ایک رذیل اور توہین آمیز تجربہ ہوتا ہے۔ وہ بچہ جس کو مارا پیٹا جا رہا ہو وہ نہ صرف ضربات برداشت کرتا ہے بلکہ ساتھ ہی یہ پیغام بھی لیتا ہے کہ اس کی (مار کھانے والے بچے کی) اوقات ہی کیا ہے۔ مارنے والا اسے استرداد کا پیغام دیتا ہے۔ اور یہ پیغام بچے کی نمو پذیر شخصیت پر اپنے گہرے اثرات مرتب کرتا ہے اور اس میں اپنے آپ سے نفرت کا جذبہ بھر دیتا ہے۔

جلد یا بدیر بچہ ایسی چیزوں سے واقف ہو جاتا ہے جس اسے استرداد اور بے وقعتی کے احساس سے فوری نجات ملتی ہے۔ ہر جگہ ہم ایسے لوگوں کو دیکھ سکتے ہیں جو بہتر محسوس کرنے کے لیے نشہ آور ادویات لے رہے ہوتے ہیں۔ اور کسی بچے کو یہ باور کروانا بہت مشکل ہوتا ہے کہ جو چیز وہ نگل رہا ہے یا سانس کے ذریعے اندر کھینچ رہا ہوتا ہے یا انجکشن کے ذریعے لے رہا ہوتا ہے اسے ذرا سا بھی آرام دینے کی بجائے مزید پیچیدہ مسائل میں مبتلا کر دے گی۔

مار پیٹ اور مجرمانہ رویہ

ہم میں سے ہر ایک سماجی برائیوں کی ایک ایسی طویل فہرست سے واقف ہے جن کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ مجرمانہ رویہ کی بنیاد ہیں مثلاً غربت، تعصب، امتیازی سلوک، خاندانی انتشار، نشہ آور ادویات، مجرم گروہ، مہلک ہتھیاروں تک آسان رسائی۔ اور یہ بات واضح ہے کہ مذکورہ فہرست میں سے ہر ایک عنصر جرم اور تشدد میں حصہ دار ہوتا ہے۔ تاہم ایک بنیادی عنصر کو بہت کم محسوس کیا جاتا ہے اور وہ ہے بچوں کی مار پیٹ۔

1940 میں ادو تحقیق کاروں- شیلڈون اور ایلز گلوک، نے مجرم اور نا مجرم بچوں پر اپنی تاریخی تحقیق کا آغاز کیا۔ انہوں نے معلوم کیا کہ کس طرح بچپن کے ابتدائی دور کے اثرات بچوں میں سماج مخالف/متشددانہ رویہ جات پیدا کرتے ہیں۔ انہوں نے دکھایا کہ مجرمیت کی ابتدائی علامات عموماً تین سال کی عمر سے بچوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یعنی کہ بچوں کے گھر سے باہر کے اثرات کا سامنا کرنے سے بہت پہلے۔ گلوک نے بتایا کہ وہ والدین جو بچوں کے ساتھ نرمی، محبت اور صبر کا مظاہرہ نہیں کر پاتے اور اس کی بجائے جسمانی سزا پر انحصار کرتے ہیں۔ ان کے بچے جارح اور متشدد بنتے ہیں۔ یعنی جتنی سخت اور جتنی جلد بدسلوکی ہوگی اتنا ہی برا نتیجہ برآمد ہوگا۔ گلوک نے یہ بھی معلوم کیا کہ سماج مخالف رویوں کی سب سے کم شرح ان بچوں میں دیکھی گئی ہے جو شیر خوارگی سے ہی توجہ دینے والی، مددگار اور غیر متشدد خاندانوں سے تھے۔

چنانچہ ان حالات کی روشنی میں تمام والدین کے لیے ایک بہت ہی سادہ پیغام ہے وہ یہ کہ اگر آپ اپنے اختیار کے اندر ہر وہ کام کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کا بچہ ایک دن جیل کی آبادی کا حصہ نہ بنے تو اسے نرمی اور صبر سے رہنمائی دیں۔ اپنے والدیت کے تھیلے میں سے شرم دلانا، چیخنا، نظر انداز کرنا، دھمکانا، بے عزت کرنا، مارنا پیٹنا ختم کر دیجیے۔

تشدد اور تعصب

تشدد کے نتیجے میں کچھ بچوں میں غصہ/نفرت اور بدلہ لینے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ لیکن عام طور پر بدلہ کی اس خواہش پر براہ راست عمل نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک وہ بچے جن پر بہت بری طرح تشدد کیا گیا ہوتا ہے وہ بھی عمومی طور پر اپنے اوپر تشدد کرنے والے پر جوابی وار نہیں کرتے۔ اس کی بجائے وہ تصوراتی دنیا کے ذریعے تسکین حاصل کرتے ہیں۔ جہاں وہ ان بدترین حالات کے خلاف اپنے غصے کو نکال سکیں۔ بعض اوقات گھر میں اپنے سے چھوٹوں پر تشدد اور مار پیٹ یا گھریلو پالتو جانوروں پر تشدد بھی اسی کا ردعمل ہوتا ہے۔

اور جیسے جیسے بچے بڑے ہوتے جاتے ہیں اور معاشرے میں تعصب اور تفریق کا سامنا کرتے ہیں تو ان کا غصہ/ناراضگی (بچپن کے تشدد کی وجہ سے) معاشرے میں قربانی کا بکرا اپنے طبقات/گروہوں کی طرف مڑ جاتا ہے۔ نفرت سے بھرپور اور انتہائی متشدد سیاسی گروہ اور جماعتیں کھلے بازوؤں کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہتی ہیں۔ اور انہیں اپنے (بدلہ لینے کے) تصور کو حقیقت میں بدلنے کا موقع فراہم کرتی ہیں اور ہر نسل میں سے کافی لوگ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تشدد اور ذہنی نشوونما

بچپن کے ابتدائی دور میں دماغ دیگر جسمانی اعضاء کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے نشوونما پاتا ہے۔ پانچ سال کی عمر تک دماغ اپنے بلوغت کے وزن کا تقریباً 90% نشوونما پا چکا ہوتا ہے۔ اور سات سال کی عمر میں یہ مکمل طور پر نشوونما پا چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ (حقیقت) بچپن کے ابتدائی دور کو دماغی نشوونما کے سلسلے میں بہت ہی حساس اور بنیادی عرصہ بنا دیتی ہے۔ وہ دباؤ جو تشدد/مار پیٹ کے درد اور خوف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے وہ بچے کے دماغ کی بڑھوتری اور فعالیت میں بہت ہی منفی انداز میں اثر انداز ہو سکتا ہے۔ نہایت مختصر انداز میں بیان کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں اس میں بہت ہی اہم اور حساس عرصہ (بچپنا) کے دوران ہی بچے جسمانی سزا/تشدد کا شکار ہوتے ہیں۔ اور اس کے نتائج دماغ کی فطری اور صحتمندانہ نشوونما سے انحراف کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں مستقل اور ناقابل اصلاح عادات/کیفیات/پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

میکلین ہسپتال میساچوسٹ کے ایک تحقیق کار ڈاکٹر مارٹن ٹشر کہتے ہیں ''ہم جانتے ہیں کہ ایک ایسا جانور جسے ابتداء ہی سے تشدد، مار پیٹ اور برے سلوک کا نشانہ بنایا گیا ہو اور اس سے غفلت برتی گئی ہو تو اس کے دماغ میں نشوونما پاتی ہے خوف، بے چینی، اور دباؤ۔ ہمارا خیال ہے کہ انسانی کیفیت بھی کچھ کم مختلف نہیں ہے۔'' (مضمون: بچوں سے بدسلوکی دماغی نشوونما پر اثر انداز ہوتی ہے: سے اقتباس، ہاہو نیوز، دسمبر 2000)

ٹشر اپنے مضمون بعنوان بچوں پر تشدد کی نیوریو بائیولوجی (شائع شدہ Scientif American March 2002) میں لکھتا ہے

''۔۔۔۔۔ نئے دماغی عکسی سروے اور دیگر تجربات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بچوں سے بدسلوکی ان کے نیورل ساخت کو مستقل طور پر نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ ناپختہ دماغی نشوونما کی فعالیت کو بھی مجروح کر سکتی ہے۔ یہ بھیانک نتائج تقاضہ کرتے ہیں کہ قبل اس کے کہ بچپن کی بدسلوکی اور نظر اندازی ان معصوم ذہنوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچائے ہمیں اس کے سدباب کے لیے بہت ہی ان تھک کوششیں کرنا ہونگی۔''

''معاشرہ جس طرح سے اپنے بچوں کی نشوونما کرتا ہے۔ اسی طرح کی نسل اسے ملتی ہے'' (ص 75)

کوئی بھی ذمہ دار والدین ہرگز ہرگز اپنے بچے کی مناسب ذہنی نشوونما میں رکاوٹ ڈالنا نہیں چاہیں گے۔ تاہم بچوں پر مار پیٹ کے حامی انتہائی غیر دانشمندانہ طور پر یہی کچھ کر رہے ہیں۔

سکولوں میں مار پیٹ

امریکی سکولوں میں مار پیٹ کے نام پر بچوں کو ان کے کولہوں پر ایک چپٹے تختے جسے پیڈل کہتے ہیں سے مارا جاتا ہے۔ ان سطور کے لکھنے کے وقت اس مار پیٹ کو 21 ریاستوں میں قانونی حیثیت حاصل ہے۔ آپ پر یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ بچوں کو مارنے کے لیے صرف پیڈلنگ ہی اکلوتا طریقہ نہیں ہے۔ جسمانی سزا کے لیے زبردستی کی ورزش اور باتھ روم نہ جانے دینا بھی اس کی دیگر صورتوں میں شامل ہے۔ تاہم پیڈلنگ بہت زیادہ عام اور مہلک ہونے کی وجہ سے جسمانی سزا اور تادیب کی دیگر صورتوں کو پس منظر میں لے جاتی ہے۔ بچوں پر جسمانی سزا کے حامی اور عمل کار اسے بچوں کی بہترین نشوونما اور سکول کے مناسب نظم وضبط کے لیے نہایت ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور اگر یہ سب درست ہے تو پھر ان سب سکولوں کو جہاں جسمانی سزا دی جاتی ہے سب سے اعلیٰ نتائج دینے والا اور ان بچوں کو جس مسلسل جسمانی سزا کا نشانہ بنتے ہیں سب سے اعلیٰ کارکردگی کا حامل ہونا چاہیے۔ اور اساتذہ کے تربیتی اداروں کو پیڈلنگ کی تربیت دینے والے ادارے ہونا چاہیے۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حقائق بتاتے ہیں کہ وہ سکول جہاں جسمانی سزا دی جاتی ہے بدترین نتائج کے حامل ہیں اور سزا پانے والے بچے سب سے زیادہ مضطرب اور مشکل کا شکار ہوتے ہیں۔ اور امریکہ میں ایسا کوئی منظور شدہ کالج نہ ہے جہاں مستقبل کے اساتذہ کو بچوں کو مارنے کے مناسب طریقے سکھائے جاتے ہوں۔ دستاویزی تحقیق بتاتی ہے کہ سکولوں میں جسمانی سزا کا اور مخصوص منفی سماجی رویوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے ان تمام ریاستوں میں جہاں جسمانی سزا کی شرح بہت زیادہ ہے وہاں گریجوئیشن کرنے کی شرح بہت کم، کم عمری میں بلند شرح حمل اور بلند ترین قتل اور لوٹ مار کی شرح ہے۔ (دیکھیے سرکاری سکولوں میں بلند شرح جسمانی سزا اور سماجی رویوں کا تعلق 2002)

سکولوں میں جسمانی سزا کا رواج ان اساتذہ کے لیے حوصلہ شکنی کا باعث بنتا ہے جو اس کو اپنانے کی بجائے اسے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ

جسمانی سزا کے حامی اساتذہ کے ساتھ کام کرنے میں مشکلات محسوس کرتے ہیں۔ایسے ماحول میں ان کی بقا کا انحصار صرف اس بات پر ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں اس پر خاموش رہیں، باوجود اس کے کہ وہ جانتے ہوتے ہیں کہ ان کی موجودگی سے جسمانی سزا کے حامی خوف محسوس کرتے ہیں، جسمانی سزا کے حامی کسی بھی سکول کے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں کہ وہ ایسے درجے تک گر جائے جہاں وہ نااہل اساتذہ بشمول ان کے جو کسی بھی طرح اس قابل نہیں ہوتے کہ بچے ان کی نگرانی میں دیے جائیں، کے لیے باعث کشش اور محفوظ جنت بن جائے، کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے اساتذہ جو طالب علموں پر سختی (جس میں جسمانی سزا بھی شامل ہے) کے حامی ہوتے ہیں، ایسی بااختیار پوزیشن حاصل کر لیتے ہیں جہاں وہ اپنے حلقہ اثر اور اپنے ماتحتوں کے لیے بدترین مثال بن جاتے ہیں، ایک استاد جبکہ اس نے ایسی ہی ایک جگہ ملازمت کے لیے درخواست دی تھی نے اپنے تجربہ کو یوں بیان کیا ہے

''انٹرویو ڈائرکٹر کے اس سوال سے شروع ہوا کہ جسمانی سزا کے متعلق میرے خیالات کیا ہیں، میرا جواب تھا کہ میں اسے پسند نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہوں، اور نہ ہی مستقبل میں پسند کروں گا۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ اس طرح تو تم ہمارے کسی کام کے نہیں ہو، اور اس کے ساتھ ہی انٹرویو ختم ہو گیا''

سکولوں میں جسمانی سزا ترقی یافتہ دینا میں تقریباً ہر جگہ ختم ہو چکی ہے، یورپ کے کسی ایک ملک میں بھی اس کی اجازت نہیں ہے اور ترقی پذیر دنیا میں بھی بہت تیزی سے اس کا خاتمہ ہو رہا ہے، نظریاتی طور پر حکومتوں یا اساتذہ کے اندر اس رجحان کو بدلنے کی کوئی تحریک نہیں ہے، جرمنی صرف ایک ایسا ملک ہے جس نے نازی دور میں عارضی طور پر جسمانی سزا کی اجازت دی تھی، دوسری طرف ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی صورتحال یہ ہے کہ ہر سال تقریباً 1.4 ملین بچوں کو سکولوں میں جسمانی سزا کی صورت میں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ بچوں کے ساتھ اس قانونی طور پر جائز بدسلوکی کے نتیجے میں لگنے والی چوٹیں اور زخموں کو www.nopank.net/violate.htm پر دیکھا جا سکتا ہے،

سمجھدار اور ذمہ دار والدین کو سکولوں میں جسمانی سزا کے متعلق کیا کرنا چاہیے۔ اگر سکول کی بس کے ٹائر اور بریکیں خراب ہوں تو آپ کبھی بھی اپنے بچے کو اس پر سوار نہ ہونے دیں گے۔ بلکہ سکول کی انتظامیہ سے فوری طور پر بس کی درستگی و مرمت کا مطالبہ کریں گے۔ اگر آپ کو پتہ چلے کے سکول کی ہوا کی گذرگاہیں ایسبسٹاس سے آلودہ ہیں اور کمرہ جماعت میں سیسہ ملا رنگ کیا گیا ہے تو آپ فوراً سے بھی پہلے اپنے بچے کو وہاں سے ہٹا لیں گے۔ اور دیگر والدین کو بھی ان چیزوں کے بارے میں خبردار کریں گے۔ جسمانی سزا بھی ان نقصان دہ چیزوں کی طرح ہے۔ یہ بہت ہی خطرناک ہے۔ اور معاشرے کے تمام سمجھدار اور باشعور لوگوں کو اس کے خلاف متحد ہو جانا چاہیے۔

ماہرین کیا کہتے ہیں:

''اگر ہم پرسکون، پرامن، اور ہمدردی سے بھرپور دینا چاہتے ہیں تو ہمیں ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہوگا جہاں تمام بچوں کو عزت دی جائے، جہاں گھر اور سکول دونوں ہی بچوں کے لیے محفوظ جگہیں ہوں اور ان میں نظم وضبط کی تعلیم عملی مثالوں کے ذریعے دی جائے۔''

(ڈسمنڈ۔ایم۔ٹوٹو۔آرک بشپ۔عالمی اقدام برائے خاتمہ جسمانی سزا برائے اطفال۔2006)

''یہ دعویٰ کہ ہلکی سزا جیسے کہ تھپڑ وغیرہ کے نقصان دہ اثرات نہیں ہوتے۔ بہت عام ہے۔ کیونکہ ہم ابتدائی عمر میں ہی اپنے والدین سے یہ پیغام حاصل کرتے ہیں جنہیں اپنے والدین سے بھی یہی پیغام ملا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے اس دعویٰ کا سب سے بڑا نقصان مذکورہ یقین کا وسیع پھیلاؤ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ ہر آنے والی نسل کو نام نہاد جسمانی اصلاح کے عمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جسمانی تشدد اور جذباتی تذلیل بچوں پر نہ صرف اپنے نقصان دہ نشانات چھوڑتے ہیں بلکہ ہمارے معاشرے مستقبل پر نہایت بھیانک اثرات بھی مرتب کرتے ہیں۔ لہذا اس نام نہاد اصلاحی سزا کے متعلق معلومات کو حاملہ ماؤں اور والدین کے تربیت ورہنمائی سے متعلق کورسز کا لازمی حصہ ہونا چاہیے۔''

(ایلس ملر۔اقتباس از ہر پٹائی ایک تذلیل ہے۔1998)

''ایک ایسا معاشرہ جہاں بچوں پر جسمانی سزا بالکل نہ یا پھر بالکل معمولی ہوتی ہے وہاں ہمیں صرف چند ایک ہی ایسے ملیں گے جو تنہائی اور ذہنی دباؤ

کا شکار ہوں، یا خودکشی کا رجحان رکھتے ہوں۔ اور چند ایک ہی پُر از تشدد ازدواجی زندگیاں ملیں۔ اور معاشرہ کو اس کا (بچوں پر جسمانی سزا کے نہ ہونے کا) فائدہ بہت وسیع ہے۔ جس میں محدود شرح جرم بالخصوص پُر تشدد جرائم بڑھتی ہوئی معاشی پیداوار۔ جرم اور ذہنی بیماریوں کے علاج پر بہت ہی محدود اخراجات شامل ہیں۔ ایسا معاشرہ جہاں بچوں کی پرورش انتہائی شفقت، محبت اور غیر، متشدد طریقے سے کی جاتی ہے۔ وہ معاشرہ صحت مند، خوشحال، اور نہ ہونے کے برابر متشدد ہوتا ہے۔''

(میورے سنڈاس۔ Co-Director of Family Research Laboratory at the University of New Hampshire۔ اقتباس از جسمانی سزا کے بغیر معاشرہ)

''دینا بھر میں جو سب سے مثبت سماجی تبدیلی فروغ پذیر ہے وہ بچوں کے ساتھ حسن سلوک اور رویوں میں بہتری ہے''

(رابن گرل۔ مصنف ایک پُر امن دنیا کے لیے والدیت)

''بچوں کو بڑوں سے کم تحفظ کسی بھی صورت میں حاصل نہ ہونا چاہیے۔ ہمیں بچوں پر تشدد کے تمام جوازات خواہ اسے روایات کا نام دیں یا نظم وضبط کا، کو ختم کر دینا چاہیے۔''

(پاؤلو سرجیو پنہیرو۔ رکن اقوام متحدہ کی سب کمیٹی برائے فروغ وتحفظ حقوق انسانی۔ 2006)

''میں نے کبھی بھی اس اصول کو قبول نہیں کیا کہ ''ڈنڈے کے بغیر بچے بگڑ جاتے ہیں۔'' میرا یقین ہے کہ متشدد والد کے بچے متشدد ہی ہوتے ہیں۔ بچوں کو مارنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہیں پیار اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں ایسے باپ کی ضرورت ہوتی ہے جسے وہ ڈر سے نہیں بلکہ احترام سے دیکھ سکیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک مثالی باپ چاہتے ہیں۔''

(گورڈن بی ہنکلے۔ صدر جیسز کرائسٹ چرچ آف لیٹر ڈے سینٹس، جنرل کانفرنس اکتوبر 1994)

''کسی بھی قسم کی جسمانی سزا کسی بھی انسان کی شخصیت پر ایک پُر تشدد اور پُر زور حملہ ہوتا ہے۔ جس کے اثرات تاحیات رہتے ہیں۔ اور اس کی شخصیت کا ایک ناقابل فراموش حصہ بن جاتے ہیں۔ یعنی ایسا ذہنی دباؤ اور چڑچڑاپن جو کہ مستقبل میں متشدد شخصیت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ہم جتنا جلد اس بات کو سمجھ جائیں کہ محبت ونرمی ہی وہ رویہ ہے جو ہمیں بچوں کے ساتھ رکھنا چاہیے اتنا ہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ ہم سب نگہبانوں کو اس کا شعور ہونا چاہیے کہ بچہ ویسا ہی انسان بننے کی کوشش کرتا ہے جن سے اس کا واسطہ پڑتا ہے۔''

(ایشلے مونٹیگ۔ ماہر سماجیات۔ ذاتی گفت وشنید سے ایک اقتباس۔ 1989)

''بچوں کی جسمانی سزا ان کی سماجی طور پر ذمہ دار بالغ بننے کے عمل ونشوونما اور سیکھنے کے عمل میں حقیقتاً مداخلت کرتی ہے۔ ہم اسے ضروری سمجھتے ہیں کہ ماہرین صحت، اساتذہ، اور دیگر تمام متعلقہ لوگ جو بچوں اور نوجوانوں کی ذہنی اور جسمانی صحت کے امور پر کام کرتے ہیں کہ وہ بچوں اور بڑوں میں بردباری اور برداشت کے ذمہ دارانہ رویہ کے مقاصد کے حصول کے لیے متبادل ذرائع کو اختیار کرنے کی حمایت کریں۔''

(ڈینیل ایف وہائٹ سائیڈ

DDS, Assistant Surgeon General, Department of health and human services, 1990

اقتباس از ذاتی گفت وشنید)

''جب ہمارے بانیوں نے ہماری زمینوں کی حفاظت کے لیے ہر کسی بشمول مجرموں پر ظالمانہ اور غیر معمولی سزاؤں کو ملک کے بنیادی قانون میں لکھا تو وہ سائنسی یا غیر سائنسی، کسی بھی شہادت سے مطمئن نہ ہو سکے کہ ایسی سزاؤں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ انہوں نے اخلاقی وجوہات کی بنا پر اس میں ترمیم کی۔ انہوں نے آزاد ماحول کو آمرانہ انداز میں لوگوں پر حکومت چلانے پر ترجیح دی۔ چنانچہ سالہا سال بعد یہ امیدیں حقائق میں بدلنا شروع ہوگئیں۔ مگر سوائے بچوں

کے لیے کہ ان پر جسمانی سزا کا عمل جاری رہا۔اور اس نے اسی بنیادی سوال کو دوبارہ زندہ کر دیا کہ اخلاقیات کے بنیادی معیارات کو مخصوص لوگوں ربچوں کے معاملے میں کیسے نظرانداز کیا جا رہا ہے۔''

(ایڈھا مارر، سزا دینے والے کی نفسیات۔واٹ مین ایجوکیشنل سروسز۔1974)

''سختی اور تشدد، خواہ وہ پولیس والا کرے یا والدین، اساتذہ یا میاں بیوی۔ان کے ایک جیسے ہی اثرات ہوتے ہیں۔جیسے کہ (۱) احتراز۔تعلیمی میدان میں اس کا مخصوص نام ہے یعنی سکول سے بھگوڑا ہونا۔(2) جوابی حملہ۔یعنی سکولوں میں بدمعاشی اور اساتذہ پر حملے، (3) بے بسی رلا پرواہی۔ایک مایوسانہ پست قدمی، جتنی شدید سزائیں ہونگی اتنی ہی پریشان کن نقصان دہ اثرات ہونگے۔''

(اقتباس از ذاتی گفت وشنید ۱۹۸۳-B.F. Skinner, Ph.D, Professor of Psycholog)

''جسمانی سزا سے بچوں کو جارحیت برداشت کرنے اور قبول کرنے کی تربیت ملتی ہے۔اور اس کا اظہار ان کی بلوغت کی زندگی میں جارحانہ رویہ سے ہوتا ہے۔خاص طور پر ان رویوں کی صورت میں جو سماج دشمنی پر مبنی ہوں جیسے کے مجرمانہ حرکتیں اور اعمال۔''

(فلپ گریون۔پروفیسر آف ہسٹری۔رُٹگر یونیورسٹی۔بچے پر رحم کریں سے ایک اقتباس)

''میں ہمیشہ اس بات کا حامی رہا ہوں کہ جسمانی سزا کو مکمل طور پر ترک کر دیا جائے۔کیونکہ میرے خیال میں پورنوگرافی اور بچوں پر جسمانی سزا کی صورت میں تشدد کا گہرا تعلق ہے۔''

(گورڈن موویز۔پاسٹر۔کلیسائی اتحاد۔سڈنی۔آسٹریلیا)

''جسمانی سزا کے حق میں بائبل میں سے جس پُر زور دلیل کا سب سے زیادہ حوالہ دیا جاتا ہے۔وہ محض چند محاوروں پر مشتمل ہے۔اگر ہم اس مقدس صحیفہ کو اس طرح پڑھنے کو معیار بناتے ہیں تو پھر ہم اس میں سے زنا، غلامی، کثرت الازدواجی، محرمات سے جنسی تعلق، عورتوں پر ظلم اور تشدد، سؤر کھانے والے لوگوں کا قتل اور بچوں کے قتل کے جوازات بھی مل جائیں گے۔جسمانی سزا کی ظالمانہ اور منتقم صورتیں عہد نامہ جدید کے بنیادی نظریے سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتیں جو ہمیں محبت کرنے، معاف کرنے، اور حتیٰ کہ بچوں کے احترام کی بھی تعلیم دیتی ہیں اور جو کہ پُر زور طور پر ظلم اور تشدد کو بطور انسانی مسائل کے حل کے طریقے کے مسترد کرتی ہیں۔کیا کبھی عیسیٰ نے بھی کسی بچے کو مارا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔''

(ذاتی گفت وشنید سے ایک اقتباس,۔Rev. Thomes E. Segendorf، 2006)

''تحقیق کاروں کو معلوم ہوا کہ جن بچوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ان میں ان بچوں کی نسبت جن پر اصلاح کے نام پر تشدد نہیں کیا جاتا، زیادہ جارحانہ رویہ ہوتا ہے۔اور بڑے ہو کر ایسے بچے ڈیپریشن، تنہائی، اپنے ازدواجی ساتھی پر تشدد، اور معاشی اور پیشہ وارانہ زندگی میں کم رتبہ کے حامل ہوتے ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی ایسے بچے نہیں چاہتا۔''

(Alvin Poussaint, M.D., Professor of Psychiatary , Harward Medical School. 1999)

''دکھ اور اور بے آرامی چاہے کتنی ہی کم کیوں نہ ہو، بچوں سے گفت وشنید کا یہ مناسب طریقہ نہیں ہے۔''

(امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن 1985)

''جب تک ہم بچوں کو پیار کی بجائے خوف اور دباؤ کے ذریعے تربیت دیتے رہیں گے۔اس وقت تک یہ انسانیت انصاف کی بجائے طاقت کے ذریعے چلتی رہے گی۔جب تک بچے پر استاد کا خوف اور باپ کا ڈنڈا مسلط رہے گا، ہمیں اس معاشرے میں پولیس والے کی چھڑی، جیل کا خوف، بری اور بحری افواج کے حملے کا سامنا رہے گا۔''

(بورس سڈس۔1919. A journal of abnornal psychology)

’’ غلامانہ نظم وضبط غلامانہ مزاج پیدا کرتی ہے۔ مار پیٹ اور جسمانی سزا کی دیگر تمام غلامانہ صورتیں ایسے معاشرے کے تعلیمی نظام میں کوئی مطابقت نہیں رکھتیں جو باشعور، ذہین اور اچھے افراد چاہتا ہو۔‘‘

(جان لاک۔ تعلیم سے متعلق چند باتیں۔ 1692)

’’اپنے شاگرد/طالب علم پر سختی نہ کریں کیونکہ اس سے اس کی ذہانت کے ساتھ ساتھ اس کی نفاست کو بھی نقصان پہنچے گا۔ بلکہ اسے نرمی سے تنبیہہ کریں جس سے وہ آسانی سے اپنی اصلاح کرنے کے ساتھ ساتھ بخوشی ترقی کرے گا۔ اور مزید سیکھنے کا شوق پیدا کرے گا۔ اگر مالک یہ کہے کہ ’’واہ تم نے بہت اچھا کام کیا‘‘ تو حوصلہ بڑھانے اور پُرعزم کرنے میں اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں پیار خوف سے زیادہ اثر رکھتا ہے۔ بچوں کو صحیح تربیت دینے کے لیے نرمی مار پیٹ سے بہتر ہے۔‘‘

(روگر آکام۔ ملکہ ایلزبیتھ اول کا اتالیق۔ کی کتاب دی سکول ماسٹر (شائع شدہ 1570) سے ایک اقتباس)

’’بچوں کو بذریعہ حوصلہ افزائی اور دلائل کے ذریعے اچھے طور طریقے سکھائیں جانے چاہیں نہ مار پیٹ اور بدسلوکی کے ذریعے‘‘

(پلوٹارک۔ بچے کے تعلیم سے اقتباس)

’’جب بچے کو مارا پیٹا جاتا ہے تو یہ ایک تکلیف دہ اور غلامانہ رویہ ہے۔ اس سے تشدد اور خوف کے ایسے اثرات مرتب ہوتے ہیں جو کسی طور پر خوشگوار نہیں ہوتے۔ اور ان کا نتیجہ شرم۔ ذہنی دباؤ اور کردار کی ایسی تباہی ہوتا ہے جس میں بچہ حقائق سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔ میں اس پر مزید بات کر کے وقت ضائع نہیں کروں گا۔ کیونکہ ہم اس کے بارے میں پہلے ہی بہت کچھ جانتے ہیں۔‘‘

(Quintikuan, circa 90 CE, Institute of Oratory, Ancient Rome)

سوالات وجوابات

س: تمام نوعمر مجرموں میں کیا چیز مشترک ہوتی ہے؟

ج: ان کی پرورش مار پیٹ اور تشدد سے ہوتی ہے۔

س: ہٹلر، سٹالن، پال پاٹ، صدام حسین اور چارلس مینن کے بچپن میں کیا باتیں مشترکہ ہیں؟

ج: بچپن میں ان میں سے ہر ایک کو بے رحمی اور شدت کے ساتھ جسمانی طور پر مارا جاتا تھا۔

س: سزائے موت پانے والے قیدیوں میں کیا چیز مشترک ہوتی ہے؟

ج: بچپن میں مسلسل اور شدید جسمانی سزا۔

س: دہشت گرد، زنا کار، قاتل، خودکش حملہ آوروں، اغوا کاروں، بیویوں کو مارنے پیٹنے والوں میں کیا چیز مشترک نظر آتی ہے؟

ج: پُرتشدد نشو ونما

س: کونسا بچہ کبھی بھی خطا کاروں میں شامل نہیں ہوتا؟

ج: جس کی پرورش توجہ، محبت کے ساتھ اور غیر متشدد خاندان میں ہوئی ہو۔

س: ایک پیارے سے پلے کو خوفناک کتے میں تبدیل کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

ج: اسے کم از کم گھومنے پھرنے دیں اور اکثر تشدد کا نشانہ بنائیں۔

ہم تبدیلی کیسے پیدا کر سکتے ہیں

آپ کے معاشرے میں بہت سے ایسے لوگ ہونگے جنہوں نے اس کتابچہ میں بیان کی گئی باتیں پہلے کبھی نہ سنی ہونگی۔ اور آپ یقیناً متفق ہونگے کہ اب وہ

ان سے آگاہ ہیں۔ ہمارا نعرہ ہے کہ ایک محفوظ، باشعور اور غیر متشدد دنیا کا آغاز گھر سے ہوتا ہے۔ اور ہم آپ کو اپنی اس مہم میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور یہ بہت واضح حقیقت ہے کہ بچوں کے ساتھ ان کی ذہنی تشکیل کے ایام میں نرم محتاط اور پُر شفقت رویہ ایک ایسی جادوئی گولی ہے جو انہیں زندگی بھر صحیح راستے پر رکھتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بچے ویسا ہی ردعمل میں رویہ اپناتے ہیں جیسا ان کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ اور اپنے سامنے ماڈل (مثال) سے سیکھتے ہیں۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے ساتھ بہترین رویہ اپنائیں اور انہیں بہترین عملی نمونہ پیش کریں اور جوابی طور پر وہ اپنے بچوں کے ساتھ اسی رویہ کا تسلسل برقرار رکھیں گے۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ آنے والی نسلوں تک جاری رہے گا۔ (اس طرح اصلاح کا عمل) کتنا سادہ ہو جاتا ہے۔

بہت سے لوگ بچوں پر مار پیٹ/سختی کے نقصانات کے ضمن میں بات کرنے پر گومگو کا رویہ اپناتے ہیں۔ کچھ اسے مکمل طور پر مسترد کر دیتے ہیں۔ کچھ اس پر غور کرنے سے یکسر انکار کر دیتے ہیں یا ان سے بات کی جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح ان کی بچوں پر تشدد کی عادت ظاہر ہو سکتی ہے۔ اور وہ شرمندگی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ان متخالف عوامل سے آپ حوصلہ نہ ہاریں۔ کیونکہ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اس بات میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں کہ بچوں کو تہذیب سکھانے کے پرانے طور طریقے اتنا الٹ نتیجہ کیوں دیتے ہیں۔ اور یقیناً بہت سے ایسے لوگ بھی آپ کو ملیں گے۔ جو اپنے بچوں کے بغیر سختی و مار پیٹ کے پروان چڑھا رہے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے کہ وہ بالکل ٹھیک کام کر رہے ہیں۔

ہمیں پورا یقین ہے کہ جلد ہی یہ مہذب معاشرہ اس حقیقت کو جان لے گا اور اس وقت پر افسوس کرے گا جب لوگ بچوں پر تشدد کو ان کی بہتری کے لیے مفید سمجھتے تھے۔

اس کتابچے کی اشاعت تک 26 ممالک اپنے قوانین کو کسی بھی عمر سے قطع نظر کسی بھی قسم کی مار پیٹ/تشدد کے ضمن میں بہتر بنا چکے ہیں۔ اور انہوں نے انتہائی سمجھداری سے مار پیٹ کرنے والوں کے چور راستوں کو بند کر دیا ہے۔ ان ممالک کی فہرست کچھ یوں ہے۔

سویڈن	1979	فن لینڈ	1983
ناروے	1987	آسٹریلیا	1989
سائیپریس	1994	اٹلی	1996
ڈنمارک	1997	لٹویا	1998
کروشیا	1999	بلغاریہ	2000
جرمنی	2000	اسرائیل	2000
آئس لینڈ	2003	یوکرین	2004
رومانیہ	2004	ہنگری	2005
یونان	2006	ہالینڈ	2007
نیوزی لینڈ	2007	پرتگال	2007
یوراگوئے	2007	وینزویلا	2007
چلی	2007	سپین	2007
کوسٹاریکا	2008	مالدیپ	2009
پاکستان	2007		

اور اس فہرست میں اضافہ جاری ہے۔

مزید معلومات کے لیے دیکھیے ادارہ کی ویب سائٹ
www.nospanking.net